کیا وجودِ باری تعالیٰ کا ثبوت ممکن ہے؟

جناب پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

علامہ اقبال نے لکھا ہے کہ وجود باری تعالیٰ کے ثبوت میں یورپ کے حکماء نے تین دلیلیں دی ہیں۔ دلیل علت، دلیلِ غایت اور دلیلِ وجود۔ دلیلِ علت اور دلیل غایت کے متعلق علامہ اقبال لکھتے ہیں کہ ان پر کئی منطقی اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ دلیلِ وجودی پر انہوں نے کانٹ کا اعتراض نقل کر دیا ہے۔ گویا یہ دلیل بھی نامقبول ہے۔ میں اس مختصر سے مضمون میں دلیلِ وجودی پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

دلیلِ وجودی کا بیان فرانسیسی فلسفی ڈیکارٹ (۱۵۹۷-۱۶۵۰ء) نے اس طرح دیا ہے:

"جب ہم کسی صفت کا اثبات کرتے ہیں تو فی الحقیقت ہم اس صفت کے وجود کا اقرار کرتے ہیں۔ اس لیے جب ہم خداوند تعالیٰ کا لفظ بولتے ہیں تو ہم خداوند تعالیٰ کا اثبات کرتے ہیں۔ اس کے وجود کا اقرار کرتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ واجب الوجود ہے۔"

یہ دلیل وجودی قیاسی ہے۔

جرمن فلسفی کانٹ (۱۷۲۴ — ۱۸۰۶ء) نے اس دلیل پر اعتراض کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تصور اور وجود کے درمیان وسیع خلیج حائل ہے۔ اس کو پاٹنے کے بعد ہی وجود کا اثبات کیا جاسکتا ہے۔ پھر وہ ایک مثال کے ذریعہ اپنی بات سمجھاتا ہے۔

اگر کوئی شخص تصور کرے کہ اس کی جیب میں تین سو روپے ہیں تو کیا یہ روپے اس کی جیب میں موجود ہو جائیں گے؟ اہلِ مغرب یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کے وجود پر اب کوئی دلیل نہیں ہے۔ حالانکہ ایک اور دلیل ہے۔

علم کا دروازہ حواسِ خمسہ ہیں۔ ساری معلومات انھی ذرائع سے حاصل ہوتی ہیں جتنی معلومات کی ترقی یافتہ شکل معقولات ہیں۔ اس طرح ہر قسم کی معلومات کا سرچشمہ حواس سے حاصل شدہ معلومات ہیں۔ یہ بات بالکل صحیح ہے۔ لیکن چند اُمور کا ادراک ہمیں حاصل ہے اور وہ علم حواس کے ذریعہ حاصل شدہ نہیں ہے۔ ہم سب کو اپنی ذات کا، اپنے وجود کا علم ہے مگر یہ علم کسی حاسہ کے ذریعہ حاصل نہیں ہوا۔ بلکہ ہمارا یہ علم وجدانی ہے۔ ایک اور مثال وقت کی ہے۔ وقت کے گذرنے کا علم کسی حاسہ سے نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ علم وجدانی ہے۔ ایک اور مثال علت و معلول میں نتیجہ کو کلی اور آفاقی بنا دینا ہے۔ یہ ہمارے وجدان کا کارنامہ ہے، عقلِ قیاسی کا کارنامہ نہیں ہے، مگر اس کی وضاحت ضروری ہے۔

آگ جلاتی ہے، زہر مارتا ہے۔ یہ تجربات خواہ کتنے ہی بار کیے جائیں۔ یہ انفرادی اور جزئی رہیں گے۔ اور ہر تجربہ ماضی کا تجربہ رہے گا۔ اگر مقدمہ جزئی اور ماضی ہو تو منطقی اعتبار سے نتیجہ بھی جزئی اور ماضی ہونا چاہیے۔ مگر یہاں ہم تجاوز کر جاتے ہیں اور کہتے ہیں آگ جلاتی ہے (ماضی، حال، استقبال) زہر مارتا ہے۔ (ماضی، حال اور استقبال) یعنی جزئی کو کلی بنا دیا۔ مؤثر بہ ماضی کو مؤثر بہ حال اور استقبال بنا دیا۔ اس تجاوز عن الحدود کے لیے ہمارے پاس کوئی سند نہیں، کوئی جواز نہیں۔ لیکن علت و معلول کی کروڑوں مثالوں میں ہم یہی کچھ کرتے ہیں۔ سائنس کی ساری عمارت اسی طرزِ عمل کی آئینہ دار ہے۔ ایسا ہم کیوں کرتے ہیں؟ اس کا جواب کسی فلسفی، کسی مفکر کے پاس نہیں ہے۔ ہم مسلمان قرآن کی رہنمائی میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وجدانی طور پر ہم ایسا کرتے ہیں۔ ہماری فطرت میں اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ کار ودیعت کر دیا ہے تاکہ خلیفۃ اللہ دنیا میں علوم و فنون کی ترقی کر سکے۔ یہ بات نہ ہوتی تو علوم کی ترقی رُک جاتی ورنہ محدود ہو کر رہ جاتی۔

یہاں سے دو بڑی اہم باتیں ہمیں معلوم ہوئیں یعنی قیاسی علم کے علاوہ علمِ وجدانی کا ایک

ذریعہ بھی انسان کے پاس موجود ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی قلیل الاستعمال کیوں نہ ہو۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ قیاسی علم کی کسوٹی یعنی منطق کی مخالفت کے علی الرغم حق وہی ہوتا ہے جو وجدانی علم کہتا ہے۔ اور انسان ہی پر اپنے عمل کی بنیاد رکھتا ہے۔

ان مقدمات کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آیئے اصل مسئلے کی طرف۔ وجود باری تعالیٰ کا ثبوت۔

جس طرح وجدانی علم کے ذریعے سے انسان کو اپنے وجود کا علم ہے اسی طرح وجدانی طور پر ہر ہر فرد بشر کو خداوند تعالیٰ کا ـــــ ایک مافوق ہستی کا علم ہے۔

علم قیاسی معقولات کی خداوند تعالیٰ کے متعلق بلند ترین پرواز یہ ہے کہ وہ "لا ادری" "میں نہیں جانتا" کہہ دے۔ کوئی مفکر اور فلسفی آج تک ایسا نہیں گزرا جس نے خدا کے عدم وجود کو ثابت کیا ہو۔ اب رہا سوال عدمِ علم کا، تو عدمِ علم عدمِ وجود کو لازم نہیں ہوتا۔ کروڑوں انسان "جزیرہ ہیٹی" سے ناواقف ہیں، مگر ان کے نہ جاننے سے لازم نہیں آتا کہ "جزیرہ ہیٹی" کا وجود نہیں ہے۔ اس لیے اگر فلسفی لا ادری پر آکر رک جاتے ہیں تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کا وجود نہیں ہے۔

خداوند تعالیٰ کے وجود کا علم ہمیں وجدانی طریقہ پر حاصل ہے اور خداوند تعالیٰ کا علم ہمیں انبیاء کرام کے ذریعے سے حاصل ہوا ہے۔ اُن کو ایک نیا ذریعہ علمِ وحی حاصل ہے جو قیاسی اور معقولات سے بالکل مختلف ہے۔

جرمن فلسفی کانٹ کا اعتراض تصوری حس پر تھا، تصوری وجدانی پر نہیں تھا۔ اور انفرادی پر تھا، کلی اور نوعی پر نہیں تھا۔

اب اگر کوئی پھر بھی ہٹ دھرمی اختیار کرتا ہے تو اُس کو پہلے اپنی ذات کا انکار کرنا چاہیے۔ علامہ اقبال نے ایک فلسفہ زدہ سیّدزادے کو یہی جواب دیا تھا۔

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا